درس ۱۹

اِعراض عن الجہاد کی پاداش

نفاق

سورۃ المنافقون کی روشنی میں

(۱)

نفاق کی حقیقت' اس کا سبب اور اس کے درجات

سورۃ الصّف اور سورۃ الجمعہ کے بعد مطالعہ قرآن حکیم کے ہمارے اس منتخب نصاب کے حصّہ چہارم کا آخری درس سورۃ المنافقون پر مشتمل ہے۔ حسنِ اتفاق سے زیرنظر منتخب نصاب میں بھی یہ سورتیں اسی ترتیب سے شامل کی گئی ہیں جس ترتیب سے یہ مصحف میں وارد ہوئی ہیں' یعنی پہلے سورۃ الصّف' پھر سورۃ الجمعہ اور پھر سورۃ المنافقون۔ اس ترتیب میں بڑی معنویت پنہاں ہے' اس لئے کہ نفاق درحقیقت نتیجہ ہے جہاد فی سبیل اللہ سے کنی کترانے اور اس سے دامن بچانے کا۔ یہی وجہ ہے کہ نفاق کی حقیقت' اس کا اصل سبب' اس کا نقطہ آغاز' اس کی علامات' اس کے مدارج و مراتب' اس کی ہلاکت خیزی اور اس کے ساتھ ساتھ اس سے بچنے کی تدابیر' بلکہ کہیں اگر اس کی چھوت لگ گئی ہو تو اس کے علاج اور معالجے کی تدابیر' ان بہت سے موضوعات پر مشتمل یہ سورت مصحف میں بھی سورۃ الصّف اور سورۃ الجمعہ کے بعد وارد ہوئی ہے اور ہمارے اس منتخب نصاب میں بھی یہ تینوں سورتیں اسی ترتیب سے شامل ہیں۔

منافقین کی دو قسمیں

اس سے پہلے کہ سورۃ المنافقون کی آیات کا سلسلہ وار مطالعہ شروع کیا جائے' مناسب ہوگا کہ پہلے اصولاً یہ سمجھ لیا جائے کہ نفاق اصل میں ہے کیا! گویا کہ اب چند باتیں حقیقت نفاق سے متعلق عرض کی جائیں گی۔

نفاق کے بارے میں یہ بات تو معلوم اور معروف ہے کہ منافق اسے کہتے ہیں جس کے دل میں ایمان نہ ہو لیکن وہ ایمان کا مدّعی اور ایمان کا دعوے دار ہو' گویا وہ اپنے آپ کو مسلمانوں میں شامل کراتا ہو' حالانکہ اس کا دل نورِ ایمان سے خالی ہو۔ یہ بات یقیناً صحیح ہے' لیکن اس کے بارے میں یہ عام تصوّر جو لوگوں میں پایا جاتا ہے کہ منافق صرف وہی ہوتا ہے کہ جو ابتداء ہی سے دھوکہ اور فریب کی نیت کے ساتھ اسلام میں داخل ہو' گویا کہ اسے کبھی ایمان کی کوئی رمق سرے سے نصیب ہی نہ ہوئی ہو' یہ بات پورے طور پر درست نہیں ہے۔ اس نوع کے منافق بھی یقیناً پائے جاتے تھے لیکن ایسا معاملہ بہت کم تھا۔ قرآن مجید میں یہود کی ایک سازش کا ذکر ہے کہ جب ان کی ساری مخالفتوں کے علی الرغم اور تمام تر ریشہ دوانیوں اور سازشوں کے باوجود مدینے میں اسلام کی جڑیں گہری ہوتی چلی گئیں اور نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ میں تمکّن عطا فرما دیا تو انہوں نے اسلام کی قوّت کو کمزور کرنے کے لئے ایک تدبیر سوچی۔ انہوں نے دیکھا کہ اسلام کی یہ ساکھ عرب معاشرے میں قائم ہو چکی ہے کہ جو شخص ایک بار ایمان لے آتا ہے وہ واپس نہیں پھرتا' چاہے ایمان قبول کرنے کے نتیجے میں اسے کتنی ہی تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں اور کیسی ہی مصیبتیں جھیلنی پڑیں۔ اس ساکھ کو ختم کرنے کے لئے انہوں نے یہ سازش تیار کی کہ صبح کے وقت ایمان لانے کا اعلان کرو اور شام کو انکار کر دو اور مرتد ہو جاؤ' اپنے سابق دین میں واپسی کا اعلان کر دو۔ اس طرح امید کی جا سکتی ہے کہ کچھ اور لوگ بھی لوٹ آئیں' اپنے آبائی دین کی طرف پلٹ آئیں۔ عام لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہوں گے کہ آخر یہ لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے' اندر جا کر انہوں نے ضرور کوئی ایسی غیر متوقع بات دیکھی ہو گی جس سے بدک کر یہ لوگ واپس لوٹ آئے' ممکن ہے جس اُمید میں یہ اسلام میں گئے تھے اس کے

برعکس کوئی صورت وہاں نظر آئی ہو کہ انہیں لوٹنا پڑا!...... ایمان کی ساکھ کو ختم کرنے کے لئے یہود نے یہ تدبیر اختیار کی۔ اب ظاہر بات ہے کہ اس کیفیت کے ساتھ جو شخص بھی اسلام کے دائرے میں داخل ہوا اس نے اگرچہ کلمہ شہادت زبان سے ادا کیا ہوگا لیکن اس کا یہ داخلہ ابتداء ہی سے دھوکے کے تحت ہے' ایمان کی کوئی رمق اسے کسی ایک لمحے کیلئے بھی حاصل نہیں ہوئی۔ ایسے کسی شخص نے ایک آدھا دن یا چند دن اگر اس قانونی اسلام کی کیفیت میں بسر کئے تو یقیناً ایک خالص منافق کی حیثیت سے بسر کئے ہیں۔

اس نوع کا معاملہ بعد میں بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص مسلمانوں میں جاسوس کی حیثیت سے شامل ہونے کے لئے اسی قسم کے کسی انداز میں اسلام میں داخل ہو' اور کلمۂ شہادت زبان سے ادا کرے تو ایمان سے یکسر محروم ہونے کے باوجود بھی قانونی طور پر وہ مسلمان سمجھا جائے گا۔ اور ایسا شخص تو ظاہر بات ہے کہ شعائرِ دینی کا احترام بھی عام مسلمان سے زیادہ کرے گا' اپنے آپ کو مسلمان منوانے کے لئے وہ نمازیں بھی پڑھے گا' روزے بھی رکھے گا' لیکن اس شخص کے قلب کی کیفیت کے بارے میں ہر شخص جانتا ہے کہ ایک لحظہ کے لئے بھی اسے کبھی ایمان کی روشنی نصیب نہیں ہوئی۔ تو اگرچہ اس نوع کا نفاق بھی دورِ نبویؐ میں موجود تھا لیکن اکثر و بیشتر جس قسم کے نفاق کا ذکر ہمیں قرآن مجید میں ملتا ہے اس کی نوعیت اس سے مختلف تھی۔

نفاق کا اصل سبب

اس نفاق کی اصل حقیقت کو سمجھنے کے لئے جو دورِ نبویؐ میں بالعموم پایا جاتا تھا اور جس کا قرآن حکیم میں کثرت سے ذکر ملتا ہے' یہ بات پیش نظر رکھئے کہ انسان اپنی قوتِ ارادی کے اعتبار سے مختلف کیفیات اور مختلف درجوں کے ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو کسی نظریئے یا مسلک کو ہر چہ بادا باد کی سی شان کے ساتھ قبول کرتے ہیں ع   ہر چہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم

کہ ہم نے کشتی دریا میں ڈال دی ہے اب جو ہو سو ہو۔ طارق بن زیادؒ نے جس کی انتہائی مثال قائم کی کہ ع

طارق چو بر کنارۂ اندلس سفینہ سوخت

ساحلِ اندلس پر پہنچ کر کشتیاں جلا ڈالیں کہ واپسی کا دھیان بھی کبھی نہ آئے۔ اس مزاج کے حامل لوگ ہر دَور میں دُنیا میں موجود رہے ہیں' کبھی کم اور کبھی زیادہ' لیکن ایک دوسرے مزاج کے لوگ بھی دنیا میں رہے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے جنہیں ہم کمزور طبائع کے حامل لوگ یا ضعیف قوتِ ارادی کے مالک لوگ قرار دیتے ہیں کہ ایک خاص راستے پر چلنا چاہتے ہیں' لیکن اپنی کم ہمتی کے باعث چل نہیں پاتے۔ اس راہ میں درپیش مشکلات و موانع اور سختیوں اور آزمائشوں کے مقابلے میں قدم قدم پر ان کی ہمتیں جواب دیتی نظر آتی ہیں' ان کا جوشِ عمل سرد پڑتا ہے' وہ آگے بڑھنے کے بجائے کسی ایک مقام پر کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں یا کبھی لوٹنے کے ارادے سے چند قدم پیچھے ہٹتے ہیں تو پھر اگر کوئی آسان صورت حال سامنے آئے تو دو چار قدم آگے بڑھا لیتے ہیں' حالات کی سختی اگر برقرار رہے تو بالآخر ان میں سے بعض کے قدم پیچھے ہی ہٹتے چلے جاتے ہیں۔ یہ دونوں طبائع ہمیشہ پائی گئی ہیں اور آئندہ بھی پائی جائیں گی۔

یہ بات ذہن میں رکھئے کہ مکی دَور میں جو لوگ ایمان لائے ان کی غالب اکثریت ان لوگوں پر مشتمل تھی جو اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی حقانیت کو پوری طرح قلبی و ذہنی طور پر تسلیم کرنے کے بعد ایمان لائے تھے۔ کلمہ شہادت زبان سے ادا کرنے سے پہلے ہی وہ ہر مصیبت کو جھیلنے کے لئے آمادہ اور ہر قربانی دینے کے لئے تیار ہو چکے ہوتے تھے۔ اس لئے کہ انہیں معلوم تھا کہ اِدھر ہم نے یہ الفاظ زبان سے نکالے اُدھر مصیبتوں کے پہاڑ ہم پر ٹوٹ پڑیں گے' گھر میں اور گھر کے باہر ہر جگہ مشکلات' تکالیف اور تشدّد (persecution) کا سامنا ہو گا' لہٰذا جو آتا خوب سوچ سمجھ کر اسلام کی طرف آتا۔ لیکن یہ صورتِ حال بعد میں برقرار نہ رہی۔ مدنی دَور کے ابتدائی دو ایک سال کے بعد حالات تیزی سے بدلنے لگے۔ مدینہ منورہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو تمکّن فی الارض یعنی غلبہ عطا فرما دیا' اوس اور خزرج ہی مدینہ کے دو بڑے قبیلے تھے' دونوں ایمان لے آئے' گویا آپؐ مدینہ منورہ کے بے تاج بادشاہ ہو گئے۔ اب یہ بات نہیں رہی کہ جو ایمان لائے اس کو شدائد اور مصائب سے سابقہ پیش آتا ہو' لہٰذا کچھ کمزور طبائع نے بھی ہمت کی اور حالات کو سازگار دیکھتے ہوئے اسلام قبول کر لیا۔

واضح رہے کہ یہ لوگ بھی اسلام کی دعوت سے متاثر ہو کر دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے' ان کے دل نے بھی یہ گواہی دی ہو گی کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور اس کی تعلیمات انسانی فطرت کی شہادتوں سے ہم آہنگ ہیں' اس لئے کہ اللہ پر ایمان لانا اور اس کی توحید کا اقرار کرنا فطرتِ انسانی میں شامل ہے۔ اسی طور پر فطرتِ انسانی اس بات کا بھی تقاضا کرتی ہے اور عقل اس حقیقت کو قبول کرتی ہے کہ اعمالِ انسانی کے بھرپور نتائج نکلنے چاہئیں' میزانِ عدل نصب ہونی چاہئے اور اس کے مطابق جزا و سزا ہونی چاہئے۔ حشر و نشر اور جنت و دوزخ ان سب حقیقتوں کو ذہن قبول کرتا ہے۔ اسی طرح نبی اکرم ﷺ کی سیرت و کردار اور ایک خورشید تاباں و درخشاں کی مانند آپؐ کی شخصیت بھی لوگوں کے سامنے تھی اور آپؐ کی حقانیت کی گواہی بھی لوگوں کے دل کی گہرائیوں سے پھوٹتی تھی' چنانچہ لوگ آئے' ایمان قبول کر لیا۔ لیکن جیسے جیسے ایمان کے عملی تقاضے سامنے آنے لگے' جان اور مال کھپانے کے مطالبے شدت پکڑنے لگے تو ضعیف الارادہ اور کم ہمت لوگوں کے لئے اسلام اور ایمان کے راستے پر چلنا مشکل ہوتا گیا۔ سورۃ الصّف کی آخری آیت ذہن میں لائیے! اللہ کے دین کے غلبے کے لئے نبی اکرم ﷺ کی نصرت کا مطالبہ کس زوردار انداز میں آیا ہے:

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیّٖنَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ﴾

اللہ کی راہ میں جان و مال کھپانے کے پُرزور مطالبے پر مبنی سورۃ الصّف کی آیات ۱۰ اور ۱۱ کو بھی ذہن میں لائیے:

﴿هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ○ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ﴾

اور پیچھے چلئے' سورۃ الحجرات کی آیت ۱۵ ہم پڑھ آئے ہیں جس میں جہاد فی سبیل اللہ کو ایمان کا لازمی تقاضا قرار دیا گیا:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا

بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ؕ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿

یہ تقاضے نہایت کٹھن ہیں' جان اور مال دونوں انسان کو بہت عزیز ہیں' بلکہ بسا اوقات انسان کا مزاج یہ بن جاتا ہے کہ جان چلی جائے' مال نہ جائے۔ چنانچہ ایسے کمزور طبائع کے حامل لوگوں کو دنیا اور اس کی آسائشیں چھوڑ کر جہاد و قتال کے راستے پر جانا بہت دشوار معلوم ہوتا' بقول جگر مراد آبادی:

تپتی راہیں مجھ کو پکاریں
دامن پکڑے چھاؤں گھنیری

دو بلیغ تمثیلیں

ایسے لوگوں کے لئے سورۃ الحج میں بڑی پیاری تشبیہہ وارد ہوئی ہے۔ فرمایا: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰہَ عَلٰی حَرْفٍ﴾ کہ لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو کنارے رہ کر اللہ کی بندگی کرنا چاہتے ہیں۔ ایک وہ ہے جو ہرچہ بادا باد کا نعرہ لگا کر منجدھار میں کودنے کے لئے آمادہ ہے اور ایک وہ ہے جو کنارے کنارے چلنا چاہتا ہے' اپنی جان اور مال کو بچا بچا کر رکھنا چاہتا ہے' اگرچہ ؎

آسودۂ ساحل تو ہے مگر شاید یہ تجھے معلوم نہیں
ساحل سے بھی موجیں اٹھتی ہیں خاموش بھی طوفاں ہوتے ہیں

کے مصداق کنارے پر بھی انسان پر کوئی مصیبت آ سکتی ہے۔ لیکن بہرحال منجدھار کے مقابلے میں دریا کا کنارہ آرام و آسائش اور عافیت کا ایک گوشہ ہے۔ اسی مضمون کو آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا: ﴿فَاِنْ اَصَابَهٗ خَیْرُ ِ اطْمَاَنَّ بِهٖ﴾ کہ اگر اسے خیر پہنچتا رہے' سہولتیں میسر رہیں تو مطمئن رہتا ہے ﴿وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ِ انْقَلَبَ عَلٰی وَجْهِهٖ﴾ اور اگر کوئی آزمائش آ پڑی' کوئی کٹھن مرحلہ درپیش ہوا یا جان اور مال کے لگانے کا کوئی تقاضا سامنے آیا تو پھر وہ اوندھے منہ گر کر رہ جاتا ہے۔ فرمایا: ﴿خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ﴾ یہ دنیا اور آخرت دونوں کا خسارہ ہے۔ ایسے شخص کی دنیا بھی برباد ہوئی اور آخرت بھی۔ ﴿ذٰلِکَ ھُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ۝﴾ یہ ہے واضح اور صریح خسارہ۔

یہی مضمون سورۃ البقرۃ کے دوسرے رکوع میں بھی آیا ہے۔ وہاں تین قسم کے

انسانوں کا ذکر ہوا ہے۔ ایک وہ متقی اور خدا ترس لوگ جو قرآن حکیم سے صحیح طور پر استفادہ کرنے کے اہل ہیں۔ دوسرے وہ لوگ جن کی مسلسل ہٹ دھرمی اور ضد کے باعث ان کے دلوں پر مہریں لگ چکی ہیں اور قرآن کی ہدایت اب ان کے حق میں قطعاً مفید نہیں۔ تیسرا طبقہ ان دونوں کے بین بین ہے۔ آیت ۸ میں ان کا تذکرہ ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو مدّعی ہیں اس بات کے کہ ہم ایمان لے آئے اللہ پر اور یومِ آخر پر درانحالیکہ وہ فی الواقع مؤمن نہیں ہیں۔ ذرا آگے چل کر اسی دوسرے رکوع میں ان کے لئے ایک تمثیل بیان کی گئی:

﴿اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ؕ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَاۤ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَاِذَاۤ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝﴾

یہ ایک مرکب تمثیل ہے۔ رات کا وقت ہے' موسلا دھار بارش ہو رہی ہے' بادلوں کی گھن گرج اور بجلی کی کڑک اور چمک نے ماحول کو ہیبت ناک بنا دیا ہے' کچھ کم ہمت اور بزدل لوگ اس طوفان میں گھرے ہوئے ہیں۔ کڑک سے ان کی جان نکلی جا رہی ہے۔ اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونسے ہوئے وہ خوف و دہشت کی تصویر بنے کھڑے ہیں۔ جیسے ہی بجلی کی چمک سے ماحول تھوڑی دیر کے لئے منور ہوتا ہے تو وہ ہمت کر کے دو چار قدم آگے بڑھ جاتے ہیں۔ اور جب ماحول پھر تاریک ہو جاتا ہے تو کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں۔

نفاق کا آغاز

اس تمثیل میں ایک خاص انسانی کردار کا مکمل نقشہ موجود ہے۔ حالات سازگار اور موافق ہوئے تو ایمان اور اسلام کے راستے پر چلتے رہے' لیکن جب آزمائش کا وقت آیا' جہاد اور قتال فی سبیل اللہ کی کڑک اور گھن گرج سنائی دی' جان و مال کے ایثار

کا کٹھن مطالبہ سامنے آیا تو ٹھٹھک کر کھڑے ہو گئے' کمرِ ہمت ٹوٹ کر رہ گئی۔ یہ کیفیت درحقیقت مرضِ نفاق کا آغاز ہے۔ یہ اس مہلک مرض کا starting point ہے۔البتہ یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ اس کیفیت کے ابتدائی مراحل کو قرآن نفاق قرار نہیں دیتا۔ نفاق سے پہلے ایک منزل ضعف ایمان کی ہے کہ ایمان ابھی اس درجے پختہ نہیں ہوا کہ انسان کا عمل پورے طور پر اس کے تابع ہو سکے۔ چنانچہ عمل میں بھی کمی اور کوتاہی کا صدور ہوتا رہتا ہے' لیکن ضعفِ ایمانی کی اس کیفیت کا یہ ایک لازمی امر ہے کہ انسان اپنی خطا کا اعتراف کرتا ہے' جھوٹے بہانے نہیں بناتا بلکہ اپنی غلطی اور کوتاہی کو صاف تسلیم کر لیتا ہے' اللہ تعالیٰ سے معافی کا خواستگار ہوتا ہے' نبی ﷺ سے بھی معذرت کرتا ہے اور استدعا کرتا ہے کہ میرے لئے اللہ سے استغفار کیجئے۔ جب تک یہ صورت برقرار رہے اسے نفاق نہیں کہا جائے گا بلکہ اسے ضعفِ ایمان سے تعبیر کیا جائے گا۔ لیکن اس سے اگلا قدم یہ ہے کہ انسان اپنی کمزوریوں پر پردے ڈالنے لگے' جھوٹے بہانوں کو اپنی بے عملی کے لئے آڑ اور ڈھال کے طور پر استعمال کرنے لگے' تو یہاں سے یوں سمجھئے کہ نفاق کی سرحد شروع ہو گئی' مرضِ نفاق کے پہلے مرحلے کا آغاز ہو گیا۔

نفاق ایک روگ ہے

جس طرح یہ بات عام طور پر معروف ہے کہ ٹی بی کی تین stages ہوتی ہیں' اسی طرح یہ جان لیجئے کہ مرضِ نفاق کے بھی تین درجے یا تین مرحلے ہیں۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ قرآن مجید نے نفاق کو بھی ایک روگ اور مرض قرار دیا ہے۔ سورۃ البقرۃ کے دوسرے رکوع میں فرمایا: ﴿فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ فَزَادَہُمُ اللّٰہُ مَرَضًا ﴾ ''ان کے دلوں میں ایک روگ ہے' پس اللہ نے اس روگ میں اضافہ فرما دیا'' —— اور یہ اللہ تعالیٰ کی مستقل سنت اور طے شدہ ضابطہ ہے کہ اگر تم ہدایت کی طرف آؤ گے تو تمہاری ہدایت میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا اور اگر گمراہی کا راستہ اختیار کرو گے تو گمراہی اور ضلالت کے راستے کھلتے چلے جائیں گے۔ بے حیائی کی طرف اگر تم رخ کرو گے تو بے حیائی کے کاموں میں بڑھتے چلے جاؤ گے۔ جن گھرانوں کے بارے میں آج

سے پچاس سال پہلے یہ تصور نہیں ہو سکتا تھا کہ ان کی خواتین کی کوئی جھلک کبھی کوئی دیکھ پائے گا' جو حفیظ کے اس شعر کا مصداق کامل تھیں کہ ع

چشمِ فلک نے آج تک دیکھی نہ تھی ان کی جھلک

اب انہی گھرانوں کی بیٹیاں اور پوتیاں قریباً نیم عریاں لباس میں سڑکوں پر چلتی پھرتی نظر آتی ہیں۔ یہ سب کچھ تدریجاً ہوا ہے۔ ایک برائی اگلی دس برائیوں کی راہ ہموار کرتی ہے۔ تو اللہ کی سنت اور اس کا دستور یہی ہے کہ ہدایت کی طرف آؤ گے تو وہ اس کے راستے کھول دے گا (فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى) برائی کی طرف جاؤ گے' بے حیائی کا راستہ اختیار کرو گے تو اس میں آگے بڑھتے چلے جاؤ گے' اللہ تعالیٰ اس راستے کو تمہارے لئے آسان بنا دیں گے (فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى) اسی طرح اگر نفاق کا راستہ اختیار کرو گے تو اسی راہ میں بڑھتے چلے جاؤ گے۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کا ذکر اس آیت مبارکہ میں ہے: ﴿فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا﴾

مرضِ نفاق کے تین درجے

تو آئیے کہ اب ہم دیکھیں کہ نفاق کے تین درجات کون کون سے ہیں۔ پہلا درجہ یا پہلی stage یہ ہے کہ انسان اپنی عملی کوتاہی اور غلط روی پر پردہ ڈالنے کے لئے جھوٹ کا سہارا لینا شروع کر دے۔ حدیثِ نبویؐ میں بھی منافق کی نشانیوں میں جھوٹ کا بطور خاص ذکر ملتا ہے۔ فرمایا: ((آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ)) ''منافق کی تین نشانیاں ہیں'' اور پہلی نشانی آپؐ نے یہ بیان فرمائی: ((إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ)) کہ جب بولے جھوٹ بولے۔ یہ اس کی نمایاں ترین علامت ہے۔ تو جھوٹ بول کر اور جھوٹے بہانوں کے ذریعے اپنی کوتاہی اور اپنی تقصیر پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرنا مرضِ نفاق کا اوّلین درجہ ہے۔

پھر اس کذب بیانی اور دروغ گوئی میں جب جھوٹی قسموں کا اضافہ ہوتا ہے تو اب گویا یہ اس مرض کے اگلے مرحلے کا آغاز ہے۔ سورۃ المنافقون میں آپ دیکھیں گے کہ اسی مضمون سے سورۃ کا آغاز ہوا ہے: ﴿إِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ﴾ ''(اے نبیؐ!) جب یہ منافقین آپ کی خدمت میں حاضر

ہوتے ہیں تو گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں'' ــــــ اسی سلسلۂ مضمون میں آگے یہ الفاظ آئے: ﴿اِتَّخَذُوْا اَیْمَانَھُمْ جُنَّۃً﴾ کہ ان منافقین نے اپنی قسموں کو اپنے لئے ڈھال بنالیا ہے۔

ایک اہم نفسیاتی حقیقت

تیسرا مرحلہ اس کے بعد ہے' لیکن اسے سمجھنے کے لئے ایک اہم نفسیاتی حقیقت کا جاننا بہت ضروری ہے۔ یہ ایک عام نفسیاتی حقیقت ہے کہ اگر آپ عمل کے میدان میں پیچھے رہ گئے ہوں تو وہ لوگ آپ کو ایک آنکھ نہیں بھاتے جو اپنی ہمت کی بدولت آپ سے آگے نکل گئے ہوں۔ آپ کی خواہش یہ ہوگی کہ وہ بھی پیچھے رہ جائیں' اس لئے کہ ان کے آگے بڑھنے نے ہماری کمزوری کو مزید نمایاں کر دیا۔ اگر ہم سب کے سب کھڑے رہ جاتے اور کوئی بھی ہمت اور جرأت کا مظاہرہ نہ کرتا تو سب کے سب ایک ہی درجے میں آ جاتے۔ نتیجتاً اس سے ان کم ہمت لوگوں کے دلوں میں ان مؤمنین و صادقین کے لئے کہ جو غلبہ واقامتِ دین کے لئے جان اور مال کی بازیاں کھیل رہے ہوتے ہیں' نفرت اور عداوت کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان لوگوں کے خلاف دشمنی کے جذبات سینوں میں پروان چڑھنے لگتے ہیں جو ایمان کے تقاضوں کے جواب میں آگے بڑھ کر اس شان سے لبیک کہنے والوں میں ہوں کہ اگر مال کا مطالبہ ہے تو جو میسر ہے حاضر ہے' جان کا تقاضا ہے تو سربکف حاضر ہیں۔ سچے اہل ایمان اور ان کی سرفروشیوں کے خلاف اگر یہ احساسات اور جذبات پیدا ہونے لگیں تو جان لیجئے کہ یہ مرضِ نفاق کی وہ تیسری اور آخری منزل ہے جو ناقابل علاج ہے۔ اب اس مرض سے رستگاری کی کوئی صورت موجود نہیں! تو یہ ہے درحقیقت نفاق کا نقطۂ آغاز' اس کا اصل سبب اور اس مہلک مرض کے مختلف مراحل و مدارج۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نفاق کی ہر صورت سے محفوظ رکھے۔ آمین!